اسلام میں نظامِ احتساب

از: ڈاکٹر اسحٰق موسیٰ الحسینی

ترجمہ: عبدالحمید صدیقی

وحدتِ فکر اور اس بنیاد پر تنظیمِ جماعت، اسلام کے بنیادی مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے۔ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے بڑی صراحت کے ساتھ یہ ارشاد فرمایا ہے: جب تین افراد سفر پر روانہ ہوں تو وہ اپنے میں سے ایک کو امیرِ سفر بنا لیں، اسی طرح ایک دوسرے مقام پر یوں ہدایت فرمائی: تین ایسے افراد کے لیے یہ بات کسی لحاظ سے مناسب نہیں کہ وہ مسافرت میں ہوں مگر اپنے میں سے کسی ایک کو امیر نہ بنائیں۔ جب نظمِ جماعت اور امارت کی یہ تاکید اتنی قلیل تعداد کے لیے کی گئی ہے، تو کثرتِ افراد کی صورت میں اس حکم کی پیروی اور بھی ضروری ہو جاتی ہے۔ نمازِ جمعہ کے متعلق دینی احکام ہم پہلے واضح کر چکے ہیں۔[1]

اسلامی نقطۂ نظر سے یہ جائز ہے کہ خاص خاص صنعتوں کے لیے الگ الگ منڈیاں قائم کی جائیں اور ایک ہی پیشے سے تعلق رکھنے والوں اور ایک ہی نوعیت کے کاروبار کرنے والوں کو ایک تنظیم سے وابستہ کیا جائے۔ اِس ضمن میں محتسب پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ان تنظیموں کے ارکان میں سے موزوں افراد کو ان کی سربراہی کی ذمہ داری سونپیں اور یہ سربراہ پیشہ ورانہ مہارت، دیانت اور امانت میں، اپنے دوسرے رفقاء میں ممتاز ہونے چاہییں۔ معاشرے کے تنگدست اور مفلوک الحال افراد امراء اور اصحابِ ثروت کے مال اور املاک میں اپنا جائز حق رکھتے ہیں۔ اگر کسی فرد کو کہیں سر چھپانے کی جگہ نہ ملے اور وہ پوری کوشش کے باوجود بھی اپنے مقصد میں ناکام

[1] فاضل مصنف نے یہاں جمعہ کی بحث کو پھر دہرایا ہے۔ ترجمہ میں ہم نے اسے نظر انداز کر دیا ہے۔ (مترجم)

ہو تو اس وقت مُحتسب کو اُس کی اس معاملے میں پُوری پُوری معاونت اور دستگیری کرنی چاہیے
اور اس کی رہائش کا انتظام کرنا چاہیے۔ یہ بات صرف رہائش تک ہی محدود نہیں بلکہ مُحتسب
کا فرض ہے کہ وہ اُسے بنیادی ضروریات فراہم کرنے میں پُوری پُوری مدد دے۔ مثلاً سردی سے
بچاؤ کے لیے کپڑے، کھانا پکانے کے لیے برتن اور دیگر ضروری سامان ——————
—————— امام ابن تیمیہؒ نے ان امور میں قرآن مجید کی مندرجہ ذیل
آیت سے استدلال کیا ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۔ (سورۃ الماعون)	افسوس ہے ایسے نمازیوں پر جو نماز کے متعلق لاپروائی برتتے ہیں، جو دکھاوے کے لیے (اچھے کام کرتے ہیں)، اور روزمرہ کے استعمال کی چیزیں روک رکھتے ہیں۔

اسی بنیاد پر امام موصوف شدید ضرورت کے وقت، کسی دوسرے شخص کی زمین سے، بشرطیکہ اُسے کوئی بہت زیادہ نقصان پہنچنے کا احتمال نہ ہو، پانی حاصل کرنے کو بالکل جائز قرار دیتے ہیں اور معاشرتی مصالح کے پیشِ نظر تعلیم و تعلم، مسند افتاء کے قیام اور شہادت کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک وہ صنعتیں جو انسان کو بنیادی ضروریات فراہم کرتی ہیں جیسے کھیتی باڑی، کپڑا بننا یا تعمیر مکانات فرض کفایہ ہیں اور اگر لوگ ان کی طرف کما حقہ متوجہ نہ ہوں تو بعض افراد کے لیے ان کاموں کا سرانجام دینا فرض عین کی صورت اختیار کر لیتا ہے کیونکہ ان کے بغیر اجتماعی مصالح پُورے نہیں ہوتے۔ حاکم وقت ان صنعتوں کے ماہرین کو جو معاشی فلاح و بہبود کے لیے اساس کی حیثیت رکھتی ہیں، چلانے پر مجبور بھی کر سکتا ہے اور اُس صورت میں اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے ماہرین کو کم از کم اتنا معاوضہ ضرور دے جو وہ دوسرے کام سرانجام دے کر حاصل کر رہے ہوں۔ اگر بیت المال میں ہر بستی میں مساجد کی تعمیر، فصیل کی تعمیر، پانی کے خاطر خواہ انتظام کنوؤں اور چشموں کی صفائی اور مسافروں کے لیے مختلف سہولتیں فراہم کرنے

کے لیے سرمایہ کی مناسب مقدار موجود نہ ہو تو پھر ان سارے فرائض کی بجا آوری یسنی والوں کے لیے لازمی ہو جاتی ہے اور اگر وہ ضروری فنڈز جمع نہ کر سکتے ہوں تو اُن کا فرض ہے کہ وہ جسمانی محنت کر کے ان اجتماعی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوں۔

اگر محتسب کسی تنومند فقیر کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھے تو اُسے اس سائل کو سرزنش کرنی چاہیے اور اُسے کام کرنے پر مجبور کرنا چاہیے۔ اگر ترغیب و ترہیب کارگر ثابت نہ ہو رہی ہو تو محتسب اسے سزا دینے کا بھی پُورا پُورا اختیار رکھتا ہے۔ ابی زکریا الحفصی کے عہد میں جب لوگ اندلس سے نکالے گئے اور وہ ٹیونس میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے تو ان پُرآشوب حالات میں مُحتسبین نے بیش بہا خدمات انجام دیں اور صحت مند لوگوں کے لیے مناسب اور معقول روزگار مہیا کیے۔

فلاح و بہبود کے انہی کاموں کو اچھے طریق سے سرانجام دینے سے خوشگوار اجتماعی زندگی کی داغ بیل ڈالی جا سکتی ہے۔ ان کاموں کی نوعیتیں اتنی متعدد اور ان کا دائرۂ کار اتنا وسیع ہے کہ ان کا پُوری طرح احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ عائلی زندگی کو بہتر اور پُرسکون بنانے کے لیے محتسب حسبِ ضرورت اولیاء کو نکاحِ بیوگان کے لیے مجبُور کر سکتا ہے۔ عوام کی زندگیوں کو خطرات سے بچانے کے لیے جہاز رانوں کو کشتیوں میں کم وزن لادنے کا حکم دے سکتا ہے پھر اجتماعی مصالح کے پیشِ نظر اُس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ لوگوں کی عزت و آبرُو کی حفاظت و پاسبانی کا انتظام کرے اور فتنہ جُو لوگوں کو عوام کے ذاتی رازوں کے تجسّس اور ان کے اِفشاء سے باز رکھے۔

کسی اسلامی معاشرے میں اجتماعی معاملات کن اصُولوں پر طے کیے جاتے ہیں اُن کی تفصیل نظامِ احتساب کی مختلف کتابوں میں ملتی ہے۔ ان میں سب سے پہلا اور بنیادی اصول یہ ہے کہ سارے معاملات کا عدل و انصاف کی بنیاد پر فیصلہ کیا جائے اور اس ضمن میں لوگوں کے درمیان بلحاظ مذہب، منصب اور جنس کوئی تفریق روا نہ رکھی جائے۔ خلیفہ، قاضی، اربابِ حکومت اور رعایا الغرض سب کے ساتھ ایک جیسا سلوک کیا جائے۔ اور

محتسب ان سارے افراد سے پوری طرح باز پرس کرے اور اس معاملے میں مسلم اور ذمی کے درمیان بھی کوئی امتیاز نہ پیدا ہونے دیا جائے۔

یہ بات اسی صورت میں ممکن ہے جب راعی اور رعایا دونوں اللہ پر ایمان رکھتے ہوں اور انفرادی اور اجتماعی معاملات کو عدل و انصاف کے ساتھ طے کرنے کے آرزومند ہوں جب افراد اور اربابِ حکومت لوگوں کی جان و مال اور ان کی عزت و آبرو کی حفاظت کو اپنا فرضِ منصبی سمجھتے ہوں اور معیشت کو دیانت اور امانت کی اساس پر قائم کرنے کے متمنی ہوں۔ یہ سارے اصول اور ضابطے ہمارے ذہن کی پیداوار نہیں بلکہ شریعت نے نہایت واضح الفاظ میں ان کی نشاندہی کی ہے۔ اسی وجہ سے شیزری نے بالکل صحیح کہا ہے کہ نظامِ احتساب کے اصول و ضوابط شریعتِ اسلامی سے مستنبط ہیں محتسب کا فرض ہے کہ اسلام جن بھلائیوں کو فروغ دینا چاہتا ہے انہیں پھیلانے کے لیے پوری طرح جدوجہد کرے اور ان برائیوں کو مٹانے کی فکر کرے جنہیں دینِ حق دنیا سے مٹانے کا حکم دیتا ہے محتسب کی ذمہ داریاں بڑی نازک ہیں اور وہ دین کے اندر گہرا علم اور تفقّہ حاصل کیے بغیر کبھی بھی ان سے بطریقِ احسن عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ عالم اور فقیہ ہونے کے ساتھ ایک کامیاب محتسب کے لیے آزاد صاحب الرائے، صاف گو اور دین میں پختہ ہونا بھی ضروری ہے۔

محتسب پر جن منکرات کے دور کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے ان کا تعلق بیع و شریٰ کے معاملات سے بھی ہے۔ اُس کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کو کھانے پینے کی اشیاء ذخیرہ کرنے سے روکے اور ذخیرہ اندوزوں کو اپنا مال منڈی میں لانے پر مجبور کرے۔ پھر اس پر یہ بھی فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اُن لوگوں کا سختی سے احتساب کرے جو دھوکے اور فریب سے اپنے مال کے نقائص چھپا کر اسے بیچنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس فریب کاری سے معاشرے کو بچانے کے لیے قوانین اور ضابطے بھی وضع کرے۔ مثال کے طور پر درزی کی

خیانت سے معاشرے کو مامون رکھنے کے لیے اگر یہ اصول بنا دیا جائے کہ وہ نہ صرف پیمائش کے لحاظ سے، بلکہ وزن کے اعتبار سے بھی کپڑا سلوانے والے کو ان کا پورا کپڑا واپس کرے تو اس سے بہت سے لوگ درزیوں کی دستبرد سے بچ جائیں گے۔ اسی طرح قصاب کو یہ حکم دیا جائے کہ وہ بھیڑ کے گوشت کو بکری کے گوشت سے الگ رکھے تاکہ لوگ دھوکہ میں نہ آئیں۔ اسی طرح پرانی اور نئی روئی کو آپس میں خلط ملط نہ ہونے دیا جائے۔ مال بیچنے والوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ لوہے کے معیاری پیمانے اور اوزان استعمال کریں تاکہ وہ اشیاء کی پیمائش کرتے وقت یا انہیں تولتے وقت کسی فریب کا شکار نہ ہو سکیں۔ زرگروں پر یہ پابندی عائد کرنا ضروری ہے کہ وہ زیور کے خریداروں کو کھوٹ کی مقدار سے بھی آشنا کریں اور زیور بیچنے والے کی موجودگی میں ہی انہیں بھٹی میں ڈال کر گلائیں۔

اگر محتسب کبھی محسوس کرے کہ شہروں کی بڑھتی آبادی کی وسیع تجارت کا وہ از خود پوری طرح احتساب نہیں کر سکتا تو ایسے حالات میں اسے ایماندار افراد کو اس کام کے لیے تعینات کرنا چاہیے تاکہ وہ ماپ تول اور اسی نوعیت کے دیگر معاملات میں اس کی نیابت کا حق پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ ادا کر سکیں۔

پھر محتسب کو اس بات کی بھی کڑی نگرانی کرنی چاہیے کہ کسی پیشہ یا کاروبار میں صرف وہی لوگ شریک ہوں جو اس کے متعلق ایک طرف تو عملی واقفیت رکھتے ہوں اور دوسری طرف اس کے بارے میں شرعی احکام کو اچھی طرح جانتے ہوں۔ چنانچہ بزاز کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ کپڑے کی مختلف اقسام کو پہچاننے کے ساتھ ساتھ اس کی خرید و فروخت کے طریقوں اور ان کے بارے میں شرعی حدود و قیود سے بھی پوری طرح واقف ہو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر اس امر کی ہدایت صادر فرماتے ہوئے کہا:

"ہماری منڈیوں میں صرف وہی لوگ تجارت کرنے کے حقدار ہیں جو دین میں سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔"

یہ حکم بزاز کے لیے ہی مخصوص نہیں بلکہ صراف، طبیب سب کے لیے اس کی پابندی لازمی ہے۔
محتسب کی دیگر ذمہ داریوں میں ایک بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً اطباء کا امتحان لیتا رہے اور اُس شخص کو جو اعصاب، شریانوں، مفاصل اور ہڈیوں کے متعلق پوری پوری واقفیت نہ رکھتا ہو، فصد کی اجازت نہ دے۔ اُسے طبیبوں سے یہ عہد بھی لینا چاہیے کہ وہ کسی مریض کو مضر صحت دوائی نہ دیں اور زہریلے مرکبات تیار کر کے لوگوں کے ہاتھ فروخت نہ کریں۔ انہیں چاہیے کہ وہ خواہ مخواہ طب کے ایسے راز افشاء نہ کرتے پھریں جن سے اناڑیوں کو عوام سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا موقع مل سکے۔

امام ابن تیمیہؒ نے حالات اور ضرورت کے تحت اشیاء کا کنٹرول بھی ضروری قرار دیا ہے۔ مثلاً اگر ضروریاتِ زندگی فراہم کرنے والے عوام کی مجبوری کے پیش نظر جائز قیمتوں سے بڑھ کر دام وصول کرنے لگیں۔ خصوصاً کھانے پینے کی اشیاء جن پر زندگی کا دارومدار ہے، تو ایسے حالات میں حکومت کو لازماً قیمتوں پر کنٹرول کرنا چاہیے۔ اسی طرح اگر جہاد میں اسلحہ کی ضرورت درپیش ہو اور اسلحہ کے تاجر اُسے معقول اور مناسب قیمتوں پر فروخت کرنے میں متامل نظر آتے ہوں تو حکومت کو قیمتوں کا ازخود تعین کر دینا چاہیے۔

احتساب کے ضمن میں انسان کے ذہن میں ایک سوال بالکل فطری طور پر اُبھرتا ہے کہ جب فریب کاری کی روک تھام کے لیے اتنا منظم شعبہ موجود تھا تو یہ مرض معاشرہ میں کس طرح سرایت کرنے میں کامیاب ہوا۔ فلسفۂ تاریخ کے علماء نے اسے بہت سے اسباب کا نتیجہ قرار دیا ہے جنہیں نہایت اختصار کے ساتھ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

(۱) جب شہری آبادی حد سے زیادہ بڑھ گئی اور کثرت افراد کی وجہ سے زندگی کے ہر شعبہ پر احتساب مشکل ہو گیا اور دوسرے شہروں اور ممالک سے آ کر لوگوں نے تجارت شروع کی تو ان حالات میں محتسب ان کے کاموں کی پوری طرح نگرانی نہ کر سکا۔ چنانچہ شیزری نے عطاروں کی فریب کاریوں پر بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس کام کی جرأت زیادہ تر باہر سے آنے والے

تاجر اور گلی کوچوں میں گھوم پھر کر بیچنے والے سوداگری کرتے ہیں محتسب کے لیے ان سب کا محاسبہ کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اصل عربوں نے صنعت و حرفت کو گھٹیا کام سمجھ کر اُس سے صرفِ نظر کرنا شروع کیا اور یہ شعبۂ حیات آہستہ آہستہ غیر مسلموں خصوصاً یہودیوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔

(۳) جب معاشرے میں مال و دولت کی فراوانی ہوا ور عوام کے اندر زندگی کے معیار کو زیادہ سے زیادہ بلند کرنے کا جذبہ موجزن ہو تو پھر وہ حلال و حرام کی تمیز کیے بغیر دولت جمع کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

(۴) جب سوسائٹی میں رشوت کی گرم بازاری ہوئی تو محتسب کا معزز عہدہ بھی بکنے لگا اور حکمرانوں کو اس کی بداعمالیوں سے مجبوراً اغماض برتنا پڑا۔ پھر محتسب اپنے اصل فرائض سے یکسر غافل ہو کر صرف مال و متاع سمیٹنے میں منہمک ہو گئے۔

(۵) اس اخلاقی انحطاط کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ اسلامی سلطنت کی حدود تو مسلسل پھیلتی چلی گئیں مگر لوگوں کی تعلیم و تربیت کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہ کیا گیا۔ اس بنا پر مسلم سوسائٹی میں وہ وحدتِ فکر باقی نہ رہی جو اخلاقی معیار کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری تھی۔ معاشرے کے اندر بعض باطل خیالات اور گمراہ کُن تصورات نے راہ پائی اور اس طرح وہ مختلف طبقات میں بٹ کر رہ گیا۔ پھر ان طبقات کے درمیان سر پھٹول شروع ہوئی۔

(۶) بسا اوقات طالع آزما اور حریص تاجروں نے آفات آسمانی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی ناپاک کوشش کی۔ انہوں نے جب یہ دیکھا کہ سیلاب اور قحط کی وجہ سے سامانِ زیست کمیاب ہو گیا ہے تو انہوں نے اس کی فروخت روک دی اور مال جب اور زیادہ مہنگا ہوُا تو پھر اس کی فروخت سے بہت زیادہ دام وصول کیے۔

اسلامی معاشرے میں فریب کاری نے کن طریقوں سے راہ پائی اس کے بارے میں کوئی

چیز بھی پورے یقین اور وثوق کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی۔ ہو سکتا ہے کہ مندرجہ بالا وجوہات میں سے کوئی ایک وجہ یا ساری وجوہات اس کی ذمہ دار ہوں۔ البتہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایک مومن و مسلم جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کو اچھی طرح پہچانتا ہے وہ اس جرم کا جان بوجھ کر ارتکاب نہیں کر سکتا۔ حضور سرورِ دو عالم نے فرمایا ہے: "جس نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہو سکتا۔"

فریب کاری کی نوعیتیں ماحول کے مطابق بدلتی رہتی ہیں۔ شہروں میں جہاں آبادی گنجان ہو، اس کا دیہات کی بہ نسبت زیادہ چلن ہوتا ہے۔ پھر زراعت کی بہ نسبت صنعت و حرفت میں اس کے زیادہ امکانات موجود رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کا اُن بستیوں میں زیادہ دور دورہ ہوتا ہے جہاں مسافروں کے آنے جانے کی کوئی پابندی نہ ہو اور ہر شخص خواہش کے مطابق وہاں سکونت اختیار کر سکتا ہو۔

بات ختم کرنے سے پہلے ہم ایک سوال کا جواب دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ "کیا مسلمانوں نے احتساب کا یہ نظام بازنطینیوں سے مستعار لے کر اُسے اسلامی رنگ دیا ہے یا یہ اُن کی اپنی تہذیب ہی کا ایک ضروری حصہ ہے؟"

مشہور مستشرق GUSTAV VON GRUNEBAUM نے اپنی کتاب MEDIEVAL ISLAM میں اسلامی نظامِ احتساب اور بازنطینی نظامِ احتساب کا موازنہ کر کے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مسلمانوں نے اسے بازنطینیوں سے مستعار لیا ہے۔ البتہ اس میں حالات کے مطابق کچھ تبدیلیاں ضرور کی ہیں۔

ہم نے اُن ساری کتابوں کا جو اسلامی نظامِ احتساب سے بحث کرتی ہیں دقتِ نظر سے مطالعہ کیا ہے اور پھر بازنطینی کتاب BOOK OF PERFECT سے اچھی طرح مقابلہ کر کے دیکھا ہے لیکن ہمیں اس دعویٰ میں کوئی صداقت نظر نہیں آئی۔ ہم اس دعوے کو مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر غلط سمجھتے ہیں:

اولاً، بازنطینی تصنیف "کتابِ کامل" دسویں صدی عیسوی میں مرتب کی گئی۔ اس کے مقابلے میں اسلامی نظامِ احتساب پر اگرچہ مستند تصنیفات دوسری صدی ہجری کے آخر یا تیسری صدی کے آغاز میں معرضِ وجود میں آئیں لیکن ان کتب کے اصول و مبادی اس سے بہت پہلے قرآن مجید، سنتِ رسولؐ اور خلفائے راشدین کے آثار کی بنیاد پر طے ہو چکے تھے۔ یعنی بازنطینی کتاب کی تدوین سے قریب قریب دو سو سال پیشتر۔

ثانیاً، "کتابِ کامل" کی پیشانی پر یہ عبارت درج ہے:

"اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دنیا کی تمام اشیاء کو پیدا کیا اور بنی نوع انسان کے لیے امن اور تعاون کی ضمانت دے دی۔ اس نے الواح (تختیوں) پر اپنی انگلی سے "قانون" ثبت فرما دیا۔ پھر اس کی اشاعت فرمائی تاکہ لوگ ہدایت حاصل کرنے کے بعد ایک دوسرے کے حقوق کو پامال نہ کریں اور طاقتور کمزور پر دست درازی نہ کر سکیں بلکہ تمام امور اپنے مقررہ نظام کے مطابق انجام پاتے رہیں۔

یہ عبارت ایک عادلانہ اور حکیمانہ قانون کے وجود پر صاف دلالت کرتی ہے۔ انجیل میں ایسا کوئی قانون موجود نہیں جو امورِ سلطنت سے براہِ راست بحث کرے۔ یہاں خدا کا حصہ قیصر کے حصے سے بالکل الگ ہے۔ میرے نزدیک مندرجہ بالا جملے کے تیور صاف بتا رہے ہیں کہ اس کے پیچھے اسلامی ذہن کار فرما ہے۔

ثالثاً، "کتابِ کامل" دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک حصے میں حرفت، ریشمی کپڑوں کی تجارت، خام ریشم کی تیاری، سوتی کپڑوں، عطر، خوشبو دار تیل، صابن بنانے کے مختلف طریقوں، چمڑہ رنگنے اور دکانداری کے اصول سے بحث کی گئی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ فاضل مصنف نے اس حصہ پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔

دوسرا حصہ اشیاءِ خوردنی، مثلاً مچھلی، گوشت اور روٹی کی خرید و فروخت، جانوروں کی

منڈیوں کی نگرانی کے متعلق رہنمائی دیتا ہے۔ کتاب کا پہلا حصہ جس میں مصنف نے پوری پوری ذہانت دکھائی ہے۔ اُن امور سے متعلق ہے جو صرف طبقۂ امراء کی دلچسپی کا موجب ہیں۔ اسلام میں نظامِ احتساب کا مرکز و محور عوامی مسائل ہیں جیسے غذا اور لباس کا مہیا کرنا، مساجد اور منڈیوں کی تعمیر۔ یہ بنیادی فرق اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ اسلام میں نظامِ احتساب اپنے مزاج اور مقصد کے اعتبار سے بازنطینی احتساب سے بالکل مختلف ہے۔

رابعاً، بازنطینی کتاب میں عبادات اور اصلاحِ اخلاق کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں۔ اس کے مقابلے میں اسلام کا پورا نظامِ احتساب حقوق اللہ کی اساس پر قائم ہے اور محتسب کو انہیں حقوق کی صحیح طور پر بجا آوری کا حکم دیا گیا ہے۔ مسلمان حکماء میں سے جن حضرات نے بھی احتساب کے بارے میں کچھ لکھا ہے وہ سارے اس بات پر متفق ہیں کہ یہ نظام دین ہی کا ایک ضروری شعبہ ہے اور شریعت نے اس کے اصول متعین کیے ہیں۔

خامساً، یہ کتاب کامل" میں تجارت اور کاروباری معاملات میں یہودیوں اور غلاموں پر خاص خاص پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ اسلامی نظامِ احتساب ان معاملات میں مسلم و غیر مسلم کے درمیان کوئی تمیز نہیں کرتا اور یہ کوئی مسلمان حکمرانوں کا احسان نہیں بلکہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ غیر مسلم اسلامی ریاست میں اپنے آپ کو کس قدر مامون و محفوظ سمجھتے تھے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب عیسائیوں نے یہودیوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا تو انہوں نے مسلمان حکومت میں بڑے اعتماد کے ساتھ پناہ لی۔

یہ سب حقائق اس حقیقت پر گواہ ہیں کہ اسلامی نظامِ احتساب اپنے مقصد، منہاج اور اصولوں کے اعتبار سے بازنطینی احتساب سے یکسر مختلف ہے اور اسی بنا پر اس دعوے میں معمولی سی صداقت بھی نہیں کہ اسلامی نظامِ احتساب بازنطینی احتساب کا چربہ ہے۔ البتہ ہم اس امر کی صراحت ضروری سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں نے انسانی تہذیب و تمدن کے پہلوؤں کو اپنانے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ انہوں نے حکمت و دانائی کی ہر بات کو مسلمان کی گمشدہ متاع سمجھ کر اُسے پورے اشتیاق سے حاصل کرنے کی کوشش کی یہی صورت ہمیں نظامِ احتساب کے معاملے میں بھی نظر آتی ہے۔ (بشکریہ المسلمون)